Research Journal
Tahqeeqat

تحقیقات ریسرچ جرنل

eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334

احمد عقیل روبی کا نثری اسلوب: فنّی و فکری جائزہ

Ahmad Aqeel Ruby's Prose Style: An Artistic and Intellectual Analysis

Dr. Arshad Mehmood
Islamabad Model College for Boys, G-7/2, Islamabad

ڈاکٹر ارشد محمود
اسلام آباد ماڈل کالج برائے طلبہ، جی سیون ٹو، اسلام آباد

Abstract

Every writer has a unique way of thinking and writing. A writer views and evaluates any event or moment in life from his own perspective. He then tries to present this thought in a unique and novel manner to the reader, and it is this effort that distinguishes him from other writers. This writing style becomes his signature. The angle of thinking and writing further transforms in the fields of poetry and prose. Poets adopt a distinctive style to condense their imagination into a single verse or a few lines, while prose writers have a broader field and a vast vocabulary at their disposal, which they attempt to compress in a specific manner to convey their perspective. Every piece of writing reveals its creator. In the field of prose, there are many genres and writers, one of which is Ahmad Aqeel Ruby. Ahmad Aqeel Ruby's prose encompasses various genres. His prose creations include novels, sketches, translations, criticism, research, plays, and biographies. He has presented his experiences and observations in different works. In each genre, he appears with a different style. In other words, he has multiple writing styles, and this is his strength and uniqueness. The present paper attempts to examine Ahmad Aqeel Ruby's literary works from an artistic and intellectual perspective and bring his stylistics to the forefront.

Keywords: *Writing Style, Point of View, Novel Style, Oedipus Rex, Symbolism, Imagination, Criticism, Biography, Style, Dialogue*

کلیدی الفاظ: طرز تحریر، نقطہ نظر، ناول کا انداز، ایڈی پس ریکس، علامت نگاری، تخیل، تنقید، سوانح حیات، اسالیب، مکالمہ نگاری

احمد عقیل روبی کی نثر:

احمد عقیل روبی ایک ایسے مصنف ہیں جنہوں نے ادب کے ہر میدان میں اپنا قلم آزمایا ہے۔ انھوں نے کہانیاں لکھیں، مختلف اصناف پر کتابیں لکھیں اور یہاں تک کہ دوسری زبانوں کے ادب کو اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے کرداروں کی تخلیق پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کی اور اردو ادب میں شاعروں اور گلوکاروں کے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں کے معروف لوگوں کے بارے میں لکھا۔ ان کی مشہور کتابوں میں سے ایک باصلاحیت گلوکار نصرت فتح علی خان کے بارے میں ہے، جہاں وہ نصرت فتح علی خان کی زندگی اور موسیقی کی خاص چیزوں کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب "قتیل کہانی" بھی لکھی جس میں شاعر قتیل شفائی کی زندگی اور ان کے خیالات کے بارے میں بتایا گیا ہے، ان کتابی شکل کے خاکوں میں ہر چیز کی وضاحت کے لیے آسان اور خوبصورت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

احمد عقیل روبی نے ناصر کاظمی کا خاکہ بھی ایک کتاب کی صورت میں لکھا جس کا نام ہے "مجھے تو حیران کر گیا وہ"۔ ان ۱۱۱ صفحوں میں ناصر کاظمی کی زندگی، ان کی نظموں اور ان کے ساتھ پیش آنے والے اہم واقعات کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ مصنف نے ناصر کاظمی کے ساتھ اپنی خوش گوار یادیں اور ان کے ساتھ بیتائے گئے لمحوں کو خوب صورت رنگ میں عکس بند کیا ہے، جو قاری کے لیے باعثِ مسرت اور معلومات کا خزانہ ہے۔

ممتاز مفتی کا خاکہ " علی پور کا مفتی " بھی ایک کتابی شکل کا معلوماتی اور دلچسپ خاکہ ہے۔ اس خاکے میں ممتاز مفتی کا علم، فن، شخصیت اور اندازِ زندگی سب دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس خاکے میں ممدوح شخصیت کے ساتھ ساتھ اشفاق احمد، قدرت اللہ شہاب اور کئی دوسرے ادیبوں سے بھی ملاقات ہوتی ہے۔ اسی نوع کی ایک کتاب " باقر صاحب " بھی ہے جس میں عقیل روبی نے اپنے استاد پروفیسر سجاد باقر رضوی کے لیے اپنی محبتوں

OPEN ACCESS HEC DRJI ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE اشاریہ اردو جرائد EuroPub

اور عقیدتوں کا اظہار کیا ہے۔ اس کتابی شکل کے خاکے میں ڈاکٹر سید عبد اللہ کی زندگی کے کئی رنگ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہ سب عقیل روبی کی محبتوں، عقیدتوں اور فنکارانہ صلاحیتوں کا ثمر ہے، کہ ہم علم و ادب کی ان بڑی شخصیات سے متعارف ہوتے ہیں۔

ان کتابی شکل کے خاکوں کے علاوہ بھی عقیل روبی نے خاکے لکھے ہیں۔ ان میں ایک کتاب "کھرے کھوٹے" ہے جس میں عقیل روبی نے اپنی زندگی میں آنے والی کئی اہم شخصیات کی عکس بندی کی ہے۔ اس کتاب میں فلمی اور علمی دنیا کی معروف شخصیات کے خاکے شامل ہیں جو عقیل روبی کی شہرت کا باعث بھی ہے اور ان کی تخلیقی صلاحیت کا ثبوت بھی۔

عقیل روبی نے مختلف زبانوں کے ادب کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے یونانی ادب سے سوفیکلیز کے ڈرامے "ایڈی پس ریکس" اور یوری پیڈیز کے ڈرامے "میڈیا" کو اردو زبان کا حصہ بنایا۔ اس کے علاوہ انگریز ڈراما نگار سارتر کے ڈرامے "ٹرائے کی عورتیں" کا اردو میں ترجمہ کر کے عقیل روبی نے اپنی بہترین تخلیقی صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ ان ڈراموں کے ترجمے کے علاوہ آپ نے مختلف زبانوں کے ادیبوں کی تحریروں کو بھی اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ان تراجم کو آپ نے دو کتابوں "علم و دانش کے معمار" اور "یونان کا ادبی ورثہ" کی صورت میں یکجا ہے۔ یہ کتابیں آپ کی دانش یونان اور یونانی ادب میں آپ کی دلچسپی کی بہترین عکاسی کرتی ہیں۔

روبی نے ناول بھی لکھے ہیں۔ ان ناولوں میں فاہیان، آدھی صدی کا خواب، چوتھی دنیا، بنجر دریا، ساڑھے تین دن کی زندگی اور جنگل کتھا شامل ہیں۔ ان ناولوں میں عقیل روبی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ممالک میں تجارتی غرض سے داخل ہونے سے لے کر قیامِ پاکستان اور بعد میں پاکستان کے ایٹمی دھماکوں تک کے حالات و واقعات کو علامتی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ان ناولوں کے علاوہ جناور کتھا کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی جس میں افسانوی انداز میں مختلف کہانیاں لکھی ہیں۔ ان نثری کاموں کے علاوہ آپ کے لکھے گئے مختلف تنقیدی و تحقیقی مضامین بھی اردو کے نثری ادب میں اہمیت کے حامل ہیں۔

عقیل روبی کا نثری اسلوب:

بالائی سطور میں عقیل روبی کی نثری تخلیقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان نثری تخلیقات کی نوع اور مزاج کے مطابق عقیل روبی کا تخلیقی مزاج بھی ہر تخلیق میں مختلف نظر آتا ہے۔ خاکہ نگاری کی فنی باریکیوں کے پیش نظر ان کا تخلیقی انداز بھی بدل جاتا ہے۔ شخصیت نگاری میں اندازِ تحریر ایک نیا رنگ بدلتا ہے۔ ترجمہ نگاری میں پھر ایک اور نیا رنگ سامنے آتا ہے۔ ناول میں وہ کہنہ مشق تخلیق کار نظر آتے ہیں۔ گویا جتنی مختلف نثری اقسام پر قلم اٹھایا ہے اسی قدر مختلف اندازِ بیان بھی اپنایا ہے۔

نثری تخلیقات میں عقیل روبی کا اہم کام ان کے لکھے گئے شخصی خاکے ہیں۔ اگر ان خاکوں کو فنی اور فکری کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ فن اور فکر کے تمام معیارات پر پورا اترتے ہیں۔ ان خاکوں میں عقیل روبی کے لفظوں میں مزاح ضرور ہے لیکن یہ انداز ان کا کوئی مستقل اندازِ تحریر نہیں ہے۔ مزاح میں بھی ایک سنجیدگی چھپی ہوئی ہے۔ لفظوں کے ہر رنگ میں حقیقت بھری ہوئی نظری آتی ہے۔ عقیل روبی کی تخلیق کردہ یہ لفظی تصویریں بے مثل ہیں۔ ان تحریروں میں ممدوح شخصیت کی زندگی کے سبھی خدوخال ایسے ابھرتے ہیں کہ لفظوں سے وہ شخصیت تمام تر سچائیوں کے ساتھ جھانکتی نظر آتی ہے۔ سچائی کا بیان بھی اس انداز میں کہ ممدوح شخصیت بھی ناراضی کی بجائے خود خاکہ نگار کی تعریف کرے۔ شجاعت ہاشمی کی زندگی کا ایک رنگ یوں بیان کرتے ہیں:

> "شجاعت ہاشمی لمبا تڑنگا خوب صورت آدمی ہے۔ گردن جھکا کر، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ لڑکیوں اور خوب صورت عورتوں کی محفل ہو تو بات طویل ہو جاتی ہے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں کے پلاٹ کی طرح کہانی در کہانی

بیان کرنا شروع کر دیتا ہے اور اسی طرح لڑکیاں اور عورتیں ایک ایک کر کے جانا شروع کر دیتی ہیں اور یہ اکیلا ہی رہ جاتا ہے لیکن پھر بھی بولتا رہتا ہے۔ اس کی گفتگو اکثر اپنے بارے میں ہوتی ہے۔"(۱)

عقیل روبی کے ان خاکوں میں ادیب، شاعر، سماجی کارکن، شوبز کی شخصیات، سیاست دان، گویا شعبہ ہائے زندگی کا ہر رنگ شامل ہیں۔ شامل خاکہ ہر شخصیت کے حوالے سے نئی نئی معلومات پڑھنے کو ملتی ہیں۔ اس ضمن میں دنیائے فلم کے ہیرو سلطان راہی اور دنیائے موسیقی کے نصرت فتح علی خان کا خاکہ اپنی مثال آپ ہے۔ مثال کے طور پر سلطان راہی کی فلمی زندگی سے ہٹ کر ان کی عام زندگی کا بیان کردہ یہ پہلو ملاحظہ ہو:

"سلطان راہی کا ایک غیر معمولی وصف اس کی مذہب سے قلبی، روحانی اور عملی وابستگی ہے۔ وہ پانچ وقت کا نمازی ہے۔ بہت اچھا قاری ہے۔ قرآن اور حدیث پر اس کی گہری نظر ہے، سٹوڈیو میں اُس نے اپنے خرچے پر ایک مسجد بنوائی ہے۔ ایک چھوٹی سی مسجد اس کے گھر میں بھی ہے۔ آج کل اس کے ساتھ ایسے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے جنھیں وہ قرآن اور حدیث کے بارے میں بتلاتا ہے۔ پیروں، فقیروں اور مزاروں کا معتقد ہے۔ ایک زمانہ تھا جب وہ جمعہ کی رات حضرت سلطان باہو یا بابا فرید کے مزار پر گزارتا تھا۔"(۲)

مصنف نے ادب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے علاوہ باقی شعبہ ہائے زندگی سے متعلق لوگوں کا جس طرح خاکہ لکھا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ فلمی دنیا اور گائیکی کے شعبے سے متعلق جن لوگوں کے بارے میں شاید عام زندگی میں ہم بہت کم جانتے ہوں لیکن روبی بیانیہ انداز میں ان کی شخصی تصویر پیش کر کے خود کو ایک اچھا خاکہ نگار ثابت کیا ہے۔ وہ نصرت کی گائیکی سے ہٹ کر ان کی شخصی خوبیاں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"نصرت فتح علی خان باوجود اپنے موٹاپے کے بے حد خوش مزاج، بذلہ سنج اور لطیفہ گو آدمی تھے۔ دوستوں اور آشناؤں میں بیٹھ کر اتنی خوب صورت باتیں کرتا ہے کہ چاروں طرف قہقہے گونجتے رہتے ہیں۔ بے حد زیرک فقرہ باز ہے۔ موقع محل کی مناسبت سے ایسے ایسے جملے چُست کرتا ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔"(۳)

احسان دانش کا خاکہ بھی بے مثل خاکہ ہے۔ اس میں عقیل روبی نے لفظوں سے احسان دانش کی جو شخصی اور فنی تصویر پیش کی ہے اس میں انھوں نے خود کو ایک پختہ اور باریک بیں لکھاری ثابت کیا ہے۔ انھوں نے احسان دانش کی جوانی کے کڑے دنوں کا ذکر کیا ہے کہ جب احسان دانش ایک مزدور کی طرح کام کرتے تھے، کئی بار نوبت فاقوں تک بھی پہنچی ۔ پھر احسان دانش نے اپنے ان حالات کو شاعری میں سمو دیا۔ ان تمام حالات و واقعات کو عقیل روبی نے خاکے میں یوں پرو دیا ہے کہ اردو ادب کا ہر قاری داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ احسان دانش کی پوری زندگی کی کہانی کو عقیل روبی نے لفظوں میں یوں بیان کیا ہے:

"احسان صاحب نے ساری زندگی لوگوں میں گزاری، پہلے زندگی کے کوڑے کھائے، اسے کھل کر کھیلنے کا موقع دیا پھر اس کی کلائی مروڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ سامنے آ گری۔ وہ زندگی کے سارے چلتر جانتے تھے اور دوسروں کو اُن سے باخبر کرتے رہتے تھے۔ زندگی کا زخم خوردہ جب اُن کے پاس آتا تو وہ اس کے زخم تسلی کے پھاہوں سے صاف کرتے اور مشوروں کا ایسا نسخہ لکھ کر اس کی جیب میں ڈالتے کہ وہ زندگی کے آئندہ وار سے صاف بچ نکلتا تھا۔"(۴)

ان چند جملوں میں عقیل روبی نے احسان دانش کی داستانِ حیات کو سمیٹ دیا ہے۔ ان کا لکھا گیا ہر خاکہ اسی انداز کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا ہر خاکہ ہی انفرادیت رکھتا ہے۔ وہ کسی بھی شخص کی کہانی اس قدر سادگی سے پیش کرتے ہیں کہ ان کی یہ سادگی بھی کئی رنگوں کا مجموعی معلوم ہوتی ہے۔ ہر خاکے میں داستانوی انداز نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہانی ان کی تحریر کا بنیادی عنصر معلوم ہوتی ہے۔

خاکہ نگاری کی صنف میں خاکہ عموماً چند صفحوں کا ہوتا ہے لیکن عقیل روبی نے ناصر کاظمی کا خاکہ ایک پوری کتاب کی شکل میں لکھا ہے۔ اس کی طوالت کو دیکھتے ہوئے اسے سوانح عمری میں شمار کرنا چاہیے لیکن یہ خاکہ اس لیے ہے کہ عقیل روبی نے خود اسے خاکہ ہی کہا اور مانا ہے۔ یہ خاکہ اصل میں ناصر کی زندگی کی کہانی ہے جسے مصنف نے اپنے داستانوی رنگ میں یوں بیان کیا ہے کہ پڑھتے ہوئے ہم ناصر کاظمی کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کی کہانی میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ اس کتاب کو ایک ہی نشست میں ختم کیے بغیر ہم رہ نہیں سکتے۔ اس طرز کے دوسرے جتنے بھی خاکے عقیل روبی نے لکھے ہیں سب ان کے سادہ اور بیانیہ اسلوب کی پہچان ہیں۔ ان خاکوں میں داستانوی اور سوانحی رنگ نمایاں ہے۔

عقیل روبی کا کتابی شکل میں لکھا ہوا ایک اور خاکہ ممتاز مفتی کا ہے. جس میں ممتاز مفتی کی زندگی کے شب و روز کو لفظوں کی لڑی میں پرویا گیا ہے۔ اسی قبیل کا ایک اور خاکہ قتیل شفائی کا لکھا ہوا خاکہ ہے اس میں مصنف نے قتیل کی زندگی کو موضوع بنایا ہے۔ ان سب خاکوں کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عقیل روبی کو خاکہ کی تصنیف میں خاص مہارت ہے۔ کہیں کہیں تو وہ دوسرے خاکہ نویسوں کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اردو کے چند بڑے خاکہ نگاروں کی فہرست مرتب کی جائے تو یقیناً عقیل روبی اس فہرست کا حصہ ہوں گے۔ عقیل روبی نے اس صنف کے قواعد و ضوابط پر عمل پیرا ہو کر اس صنف کو نہ صرف ترقی دی ہے بلکہ نئے آنے والوں کو ایک نئی راہ بھی دکھائی ہے۔ سجاد باقر رضوی کے خاکے میں عقیل روبی نے اپنے وہ تخلیقی رنگ بھر دیے ہیں کہ سجاد باقر رضوی کا ایک درخشاں دورِ تدریس ہمارے سامنے آجاتا ہے:

> ”باقر صاحب اورینٹل کالج میں انگریزی کی پوسٹ پر آئے تھے۔ جب اُنھوں نے ایم اے اُردو کی کلاسز لینا شروع کیں تو اعتراض اُٹھایا گیا کہ یہ ایم اے اُردو نہیں ہیں۔ چنانچہ باقر صاحب نے ایم اے اُردو کا امتحان دیا جس میں اُن کی تھرڈ کلاس آئی۔ یہ تھرڈ کلاس کیوں آئی کیسے آئی؟ یہ سوالات ناقابلِ فہم ہیں لیکن یہ خبر پڑھ کر ذہین لوگوں کو ہنسی ضرور آئی۔ میرے جیسے جو باقر صاحب کے جوتے سیدھے کرتے تھے ان کی فرسٹ کلاس آئی۔ باقر صاحب کی تھرڈ کلاس پر حیران نہیں ہوئے بلکہ ناقدریِ جہان کا یقین مستحکم ہو گیا۔“(۵)

عقیل روبی نے ناول بھی لکھے۔ ۸۰ء کے بعد کہ جب ناول نگاری قدرے اپنے رنگ کھو رہی تھی اسی وقت عقیل روبی کا نام ناول نگاری کے میدان میں سامنے آتا ہے۔ آپ کا تعلق ناول نگاروں کے اس قبیل سے ہے کہ جنھوں نے اس دور میں اپنی فکر اور فنی پختگی سے صنفِ ناول کو عروج بخشا۔

آپ کا ایک ناول ساڑھے تین دن کی زندگی ہے جس میں ایک پروفیسر رمزے کی زندگی کی داستانِ حیات ہے۔ پروفیسر کی اس کہانی میں اس کی محبت، اہل یونان اور یونان کے ادب میں اس کی دلچسپی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس ناول میں قدیم یونان کے فلاسفہ سقراط اور افلاطون کے زمانے کو پروفیسر رمزے کی کہانی میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ قدیم یونان ہمارے سامنے جگمگاتا نظر آتا ہے۔ یہ ناول، ناول سے زیادہ داستان معلوم ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پروفیسر رمزے کی کہانی میں عقیل روبی نے اپنی زندگی کی دلچسپیوں کو موضوع بنایا ہے۔ ناول میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے عقیل روبی نے پروفیسر رمزے اور شیبا جو پروفیسر کی شاگرد ہے، کی قدیم یونان میں شادی اور اس جیسے چند اور واقعات کو شامل کیا ہے۔ مصنف نے ناول کے شروع میں کچھ واقعات کا ذکر کرنے کے بعد باقی ساری کہانی ایک خواب کی صورت میں پیش کی ہے۔ یہ کہانی ایک پروفیسر اور چند طلبہ کی ہے کہ جس میں وہ ساڑھے تین دن کے لیے قدیم یونان میں افلاطون اور سقراط کے دور میں چلے جاتے ہیں۔ واپس اپنی دنیا میں آنے کے بعد جب وہ اپنی کہانی یونیورسٹی کے باقی اساتذہ اور طلبہ کو بتاتے ہیں تو کوئی ان کی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔ ایسے میں شیبا اپنے اور پروفیسر رمزے کا افلاطون اور سقراط کا دستخط شدہ نکاح نامہ دکھاتی ہے۔

اس سارے واقعہ کو عقیل روبی نے یوں بیان کیا ہے:

"ہم ساڑھے تین دن، ڈھائی سو سال قبل مسیح کے زمانے میں گزار کر آئے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس زمانے میں سقراط، افلاطون اور یوری پیڈیز زندہ تھے۔ آپ کو یقین نہیں آرہا جب سقراط اور افلاطون کے ساتھ ہم نے جمنازیم میں بیٹھ کر باتیں کیں تو وہ بھی ہماری دُنیا کی باتیں سُن کر اسی طرح ہمارا مذاق اُڑا رہے تھے جس طرح آپ اُڑا رہے ہیں اور پھر پروفیسر رمزے نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی سنا دی۔ لوگوں نے خاموشی سے پوری کہانی سُنی اور ایک حیرانی اور چُپ کی فضا پورے ہال پر طاری ہو گئی۔"(۶)

ناول میں مصنف نے در حقیقت یونانی ادب کے لیے اپنی محبت کو ظاہر کیا ہے۔ کہانی کے بیان کے لیے "فلیش بیک" کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔ اس طریقے میں مصنف اپنی کہانی کے واقعات کو موجودہ حالات کے ساتھ جوڑتا ہے۔ عقیل روبی کے متعدد ناولوں میں یہی طریقہ اپنایا گیا ہے۔ جس سے انھوں نے ناولوں کی کہانی میں ایک خاص رنگ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس ناول میں داستانوی رنگ میں ۲۵۰۰ سال پرانے دور کو موجودہ وقت کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ یہ داستانوی انداز در حقیقت یونانیوں کا ہی طریقہ رہا ہے جسے عقیل روبی نے بڑی مہارت سے اس ناول میں برتا ہے۔

کہانی کے بیان کے لیے ادبا دو طریقے اپناتے ہیں۔ ایک لفظوں سے تصویر بنانا اور دوسرا منظر میں اپنی سوچ کے رنگ بھرنا۔ اس ناول کی کہانی میں ہمیں یہ دونوں طریقے نظر آتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کہانی میں پھیلاؤ آگیا ہے۔ ناول کے کردار اور اس کے مکالمے ناول کی ہر ضرورت کو پورا کرتے نظر آتے ہیں۔ جیسے شیبا اور رمزے کا یہ مکالمہ ہے:

"شیبا: آپ کی بے ترتیب چیزوں کو سلیقے سے ترتیب دینے کے لیے اُوپر سے کوئی فلسفی ہی اُترے گا۔

رمزے: لیکن فلسفی ہی کیوں اُترے گا؟

شیبا: آپ ہی تو کہا کرتے ہیں۔ خدا نے بے ترتیب کائنات بنائی اور پھر اسے ترتیب دینے کے لیے فلسفی کو بھیجا۔"(۷)

کیونکہ اس ناول کی کہانی فلسفیوں کی سرزمین یونان سے جڑی ہوئی ہے اسی لیے عقیل روبی نے اسلوب بھی فلسفیانہ اپنایا ہے۔ ناول میں علمِ فلسفہ اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ موجود نظر آتا ہے۔ اس اندازِ تحریر کو دیکھ کر اصغر ندیم سید نے لکھا ہے:

"عقیل روبی کا جو اسلوبِ تحریر ہے وہ آج کل تقریباً ناپید ہے۔ وہ کھرا اور متاثر کرنے والا ادیب ہے۔ اس کی تحریر پڑھ کر مجھے تو اردو ادب کے عظیم افسانوی نثری عہد کی یاد آجاتی ہے۔"(۸)

ایک چینی سیاح فاہیان نے ۶۵ برس کی عمر میں مہاتما بدھ کی تعلیمات کے حصول کے لیے ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ وہ بدھ مت کا پیروکار تھا۔ ۱۴ سال ہندوستان میں گزارنے کے بعد جب وہ واپس چین میں گیا تو اپنے اس سفر کا ایک "سفر نامہ ہند" تحریر کیا۔ فاہیان کے اس سفر نامے کو بنیاد بنا کر عقیل روبی نے ایک ناول فاہیان لکھا۔ اسی لیے اس ناول میں ہمیں سفر نامے کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔ لیکن عقیل روبی نے سفر نامے اور ناول کے رنگوں کو یکجا نہیں ہونے دیا اور دونوں کا فرق ملحوظ رکھا ہے۔ اس بارے میں عقیل روبی نے لکھا ہے:

"میں نے ناول اور سفر نامے کے فرق کو مدِ نظر رکھا ہے۔ فاہیان کے کھینچے ہوئے دائرے میں رہ کر بات بنانے کی کوشش کی ہے۔ اپنی بات میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے کچھ ایسے کرداروں کو آگے بڑھایا ہے جنھیں فاہیان راستے میں چھوڑ گیا تھا۔ کچھ نئے کردار تشکیل دیے ہیں۔ میں نے ان کرداروں کے منہ میں فاہیان ہی کا فلسفہ، عقیدہ اور

مفہوم ڈال کر اپنی بات کو آگے بڑھایا ہے۔ مجھے یقین ہے اگر فاہیان زندہ ہوتا اور یہ ناول پڑھتا تو اُسے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔"(۹)

عقیل روبی کا یہ ناول قدیم ادب اور تاریخ کا مرقع ہے جس میں چین کی تہذیب بھی ہے اور بدھ مت کی تاریخ بھی۔ فاہیان کے سفر نامے سے ہٹ کر عقیل روبی نے کچھ نئے کردار بھی متعارف کرائے ہیں جس سے ناول کی کہانی پختہ اور کردار نگاری کا حسین امتزاج بن گئی ہے۔ یہ کہانی سفر نامے سے ماخوذ ہے لیکن عقیل روبی نے اسے ناول کے رنگ میں یوں بیان کیا ہے کہ کسی بھی لمحے سفر نامے کا گمان تک نہیں ہوتا۔

اس ناول کی جو خاص بات ہے وہ اس کا حاشیہ ہے۔ مصنف نے ناول میں آنے والے نئے کرداروں اور مختلف مقامات کی وضاحت کے لیے حاشیے کا اہتمام کیا ہے۔ قاری کی دلچسپی کے لیے حاشیہ نگاری کا یہ ایک منفرد طریقہ کار ہے جو کم مصنفین کے ہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ ناول معلومات کا بھی خزانہ ہے۔ اس میں ہندوؤں کے ہاں ذات پات، چین کے باسیوں اور وہاں کے جزیروں اور فاہیان کے سفر کے احوال کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ فاہیان کے سفر کی مشکلات کو عقیل روبی یوں بیان کرتے ہیں:

"جہاز شیروں کی سلطنت کی طرف چلتا رہا، سفر کٹتا رہا، بھگشو گوتم کی باتیں کرتے رہے۔ جہاز میں سفر کرنے والے ان باتوں سے لطف لیتے رہے۔ ایک دن بڑا بھگشو بیمار ہو گیا۔ مچھروں اور سمندری مکھیوں نے اسے بد حال کر دیا۔ فاہیان کی تھیلی بہت کام آئی۔ اس نے بھگشو کا علاج کیا، وہ بھلا چنگا ہو گیا اور جہاز کے عرشے پر پھر محفل جم گئی۔"(۱۰)

یہ ایک تاریخی ناول ہے لیکن عقیل روبی نے کچھ نئے کرداروں کے ذریعے اس کی کہانی کو موجودہ دور سے جوڑ دیا ہے۔ یہ نئے کردار وہ کردار ہیں جنھوں نے فاہیان کی وفات کے بعد اس کے تعلیمی سلسلے کو جاری رکھا۔ یوں عقیل روبی نے اپنے منفرد اسلوبِ نگارش سے تاریخ میں ناول کے رنگ بھر کر اسے منفرد بنا دیا ہے۔

مصنف کا ایک اور ناول آدھی صدی کا خواب ہے۔ اس ناول کا لبادہ سیاسی نظر آتا ہے جس میں قیامِ پاکستان سے پہلے کے حالات و واقعات سے شروع ہو کر ۲۰ ویں صدی کے آخر تک کے حالات و واقعات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس ناول کے کردار فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہیں۔ ان کرداروں میں ایک کردار عقیل روبی کی ماں "بی بی" کا ہے جب کہ دوسرا کردار ان کے نانا "منشی" کا ہے۔ ان حقیقی کرداروں کے ذریعے عقیل روبی نے قیامِ پاکستان سے پہلے کے حالات، تقسیم کے وقت کی قتل و غارت، مہاجرین کی نقل مکانی اور بعد کے تاریخی سفر کو بڑے درد مندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ ایک واقعہ اپنی ماں بی بی کی ہجرت کا اس طرح بیان کرتے ہیں:

"چنانچہ ۱۴ تاریخ کو وہ بی بی، دلبر، بی بی کے بیٹے، نذیراں کو ٹانگہ پر بٹھا کر کیمپ کی طرف چل دیا۔ سریندر کور بی بی کے گلے لگ کر زار و قطار روئی۔ بی بی نے اسے بہت تسلیاں دیں مگر اس کے آنسو نہ رُکے۔ سریندر کور نے شیر سنگھ کو گرو ارجن سنگھ کا واسطہ دیا اور وعدہ لیا کہ بی بی کے خاندان پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"(۱۱)

قیامِ پاکستان کے وقت ہونے والی قتل و غارت گری کو نسیم حجازی، قراۃ العین حیدر اور الطاف فاطمہ جیسے متعدد ناول نگاروں نے اپنا موضوع بنایا اور اس پس منظر میں کئی ناول تخلیق کیے۔ عقیل روبی کا یہ ناول بھی ان ہی حالات و واقعات کا عکاس ہے۔ ہجرت کے سفر میں ایسے دل دہلا دینے والے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے کہ بے اختیار آنسو اُمڈ آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ یہ واقعہ ابھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

ایک ایسا ہی واقعہ مہاجرین کی سفری مشکلات کا یوں بیان کیا گیا ہے:

"ڈبے میں سب کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ آنکھیں حیرانی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ ہونٹ ہِل رہے تھے مگر آواز نہیں تھی۔ رات گئے ٹرین امرتسر کی طرف روانہ ہوئی۔ ڈبے میں بیٹھے سب لوگوں نے ہاتھ اُٹھا کر خدا سے سلامتی کی دُعا مانگی اور پھر عورتوں نے رو رو کر نعتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ مردوں نے قرآن پاک کی سورتوں کی تلاوت شروع کر دی۔ ساری رات ٹرین چلتی رہی، لدھیانہ سے ایک اسٹیشن پہلے ٹرین ایک جھٹکے کے ساتھ رُکی تو سب کے دل دھل گئے۔ ڈبے میں باہر گھپ اندھیرا تھا۔ باہر سے دوڑنے اور اُونچی اُونچی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ٹرین کے اندر کسی کو نہیں پتہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے بس سب خوف زدہ تھے۔"(۱۲)

یہ ناول عقیل روبی کی فکر اور فن کا عروج معلوم ہوتا ہے۔ اس موضوع پر متعدد ناول لکھے جا چکے ہیں۔ اس لحاظ سے عقیل روبی کا یہ موضوع کوئی نیا موضوع نہیں ہے۔ لیکن وہ اپنی سوچ اور اندازِ بیان کی وجہ سے دوسرے ادبا سے الگ مقام رکھتے ہیں۔ خوب صورت کردار نگاری کے باعث یہ ناول ایک کرداری ناول ہے۔ اس میں دو بنیادی کرداروں منشی اور بی بی کے ذریعے قیامِ پاکستان کے بعد کی حکومتوں اور عوام کے حالات اور تعلق کو خوب صورت پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں کردار بے مثل ہیں۔

عالمی سیاسی منظر نامے اور سیاسی روشوں کے پس منظر میں عقیل روبی کے دو اور ناول بنجر دریا اور جنگل کتھا ہیں۔ ناول جنگل کتھا میں انگریزوں کا تاجر بن کر دنیا کے مختلف ملکوں میں جانے سے لے کر قیامِ پاکستان تک کے سفر کو علامتی انداز میں ہمارے سامنے لایا گیا ہے۔ اس ناول کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے سارے کردار جنگل کے مختلف جانور اور پرندے ہیں۔ ہر جانور اور پرندے کو اس کی فطری خوبیوں کے مطابق کردار دیا گیا ہے۔ جو انسانوں کی مانند اپنے کردار کو نبھاتے نظر آتے ہیں۔ اس ناول میں مصنف کا اسلوب تاریخی بھی ہے اور بیانیہ بھی۔ جس میں کہانی کو داستانوی رنگ میں اس کے انجام تک لایا گیا ہے۔

اسی قسم کا دوسرا ناول بنجر دریا ہے جس کا موضوع تقسیمِ ہند کے بعد بننے والی دو نئی مملکتوں پاکستان اور بھارت کے سیاسی حالات اور ان کے آپس کے تعلقات ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والی جنگوں اور دونوں ممالک کی طرف سے کیے جانے والے ایٹمی دھماکے بھی اس ناول کا حصہ ہیں۔ مصنف کا اندازِ بیان علامتی ہے۔ کہانی کے لحاظ سے یہ ناول جنگل کتھا کی کہانی کا اگلا حصہ ہے۔ ان دونوں ناولوں میں بیانیہ اسلوب اپنایا گیا ہے۔ داستان کے رنگ میں کہانی کو اس کے انجام تک پہنچایا گیا ہے۔ جس وجہ سے کہانی الجھنوں سے بچ کر عام فہم اور سادہ ہو گئی ہے۔

عقیل روبی کا ایک اور ناول چوتھی دنیا تخیل اور رومان کا حسین امتزاج ہے۔ اس ناول میں مصنف نے اپنے تخیل کے زور پر ایٹمی جنگوں کے بعد کے حالات اور اثرات و نتائج بیان کیے ہیں۔ عقیل روبی کے مطابق اگر دنیا میں ایٹمی جنگوں اور ہتھیاروں کی دوڑ کو نہ روکا گیا تو دنیا اپنی بربادی کی انتہا پر پہنچ جائے گی جہاں ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ان ہتھیاروں سے دور رہنے والوں کا وجود بھی مٹ جائے گا۔ اسی مقام پر عقیل روبی نے اپنے خیالوں کی چوتھی دنیا بسائی ہے۔ یہ ایسی خیالی دنیا ہے جہاں پر نہ کوئی ایٹمی ہتھیار ہے اور نہ ہی کسی قسم کی تباہی کا کوئی ڈر۔ عقیل روبی کی اس چوتھی دنیا میں انسان، جانور اور پرندے سب ایک ساتھ بستے نظر آتے ہیں۔ چوتھی دنیا کی کہانی ایک تخیلاتی کہانی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں لیکن مصنف نے اسے اپنے علامتی اسلوب کے باعث دلچسپ بنا دیا ہے۔ مجموعی طور پر عقیل روبی نے اپنے ناولوں اور خاکوں میں بیانیہ اسلوب اپنایا ہے۔ جس میں ان کا داستانوی رنگ اور تاریخی سفر نمایاں ہے۔

عقیل روبی نے یونانی ادب کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں یوری پیڈیز اور سوفیکلیز کے ڈراموں کا کیا گیا ترجمہ ان کی پہچان بنا۔ دیکھنے میں ترجمہ کرنا آسان معلوم ہوتا ہے لیکن مقرر کردہ ضوابط کے تحت ترجمہ کرنا ہی اصل ترجمہ ہے اور یہ ایک مشکل اور تخلیقی کام ہے۔

عقیل روبی کا نام بہترین ترجمہ نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ نے یونانی اور انگریزی ادب کا انتخاب کر کے اسے اردو کا رنگ دیا۔ آپ کے ترجمہ کردہ ڈرامے ترجمہ سے زیادہ طبع زاد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے ترجمہ کردہ ڈراموں میں یوری پیڈیز کا ڈراما میڈیا نہایت اہم ہے۔ اس ترجمے کے بارے میں ڈاکٹر انور سجاد نے لکھا ہے:

> ”میڈیا، یوری پیڈیز کی عظیم تخلیق ہے۔ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ احمد عقیل روبی نے اس کھیل کو اپنے مضمون میں بہت باریکی اور تفصیل سے سمجھا اور سمجھایا ہے۔ ترجمہ ایک مشکل فن ہے اور کسی کلاسیکی فن پارے خصوصاً ڈرامے کا ترجمہ مشکل ترین۔ عقیل نے نہایت سوجھ بوجھ سے کام لیا ہے۔“(۱۳)

تراجم میں عقیل روبی کا اسلوب منفرد نظر آتا ہے۔ مکالمے اس طرح ترجمہ کیے گئے ہیں کہ مصنف کی اپنی تحریر معلوم ہوتی ہے۔ ڈرامے میڈیا میں ایک کردار میڈیا ہے، اس کا مکالمہ دیکھیے:

> ”میں بھی یہی سوچتی ہوں
> جب کسی بد عہد آدمی کو۔ جو قانون کو توڑے
> اور وہ جھوٹا ہو۔ تو وہ چرب زبانی سے
> اپنی گفتگو کا جادو جگاتا ہے
> اور اُس کا دماغ اسے فریب کاری پر اُکساتا ہے
> جیسن میرے ساتھ انصاف پسند بننے کی کوشش نہ کرو
> نہ گفتگو سے مجھے زیر کرنے کی کوشش کرو
> تمھارا زوال صرف ایک لفظ میں چھپا ہے
> تُم جھوٹے ہو
> تو نے مجھ سے محبت کی۔ شادی کی۔ اب تم مجھے چھوڑ رہے ہو
> اپنے فریب اور جھوٹی باتوں سے مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔“(۱۴)

عقیل روبی نے اس ڈرامے کا ترجمہ کرتے ہوئے ترجمہ نگاری کے سبھی اصولوں کی پاسداری کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ڈراما ترجمہ ہونے کے باوجود عقیل روبی کا اپنا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ عقیل روبی کیونکہ خود ایک شاعر ہیں اس لیے انھوں نے کہیں کہیں شعری صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے مکالمے کو مصرعے کا روپ دیا ہے جو ان کی شعری صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔

ڈراموں کے تراجم میں ایک ترجمہ سوفیکلیز کے ڈرامے ایڈی پس ریکس کا ترجمہ ہے جو عقیل روبی کی فنکارانہ صلاحیتوں کا عکاس ہے۔ ڈرامے کے آغاز میں عقیل روبی نے ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں سوفیکلیز کے فن اور شخصیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ اس کا دیباچہ ایڈی پس ریکس کے عنوان سے لکھا ہے۔ ایک سو سے زائد صفحات پر مشتمل یہ ترجمہ کرداروں کے بیان اور ان کے مکالموں کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ ایڈی پس کے مکالموں میں عقیل روبی کا فن عروج پر دکھائی دیتا ہے۔

"ہاں میں تمھیں ضرور بتاؤں گا کیوں کہ میں تمھاری سب سے زیادہ عزت کرتا ہوں۔ کریون نے میرے خلاف
ایک سازش کی ہے۔
مجھ سے تاج و تخت چھیننے کی سازش۔
مجھے ملک بدر کرنے کی سازش۔"(۱۵)

شادی سے پہلے ایڈی پس ریکس کا اپنی ماں سے مکالمہ اس ڈرامے کی جان ہے۔ پھر جب دونوں کی شادی ہوتی ہے تو اس وقت کے مکالمے، مکالمہ نگاری کی انتہا ہے۔ عقیل روبی نے اس ڈرامے کو اردو کا لبادہ دیتے وقت اس کے معیار اور مقام کو اپنی سطح سے گرنے نہیں دیا۔ ایڈی پس ریکس جیسی داستانوں کی ہمارے ادب اور مذہب دونوں میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ پھر بھی عقیل روبی نے اسے ترجمہ کر کے اردو کے دامن کو وسعت دی ہے۔

عقیل روبی نے سارتر کے ڈرامے ٹرائے کی عورتیں کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے علم و دانش کے معمار اور یونان کا ادبی ورثہ کے عنوان کے تحت دو کتابوں میں مختلف ادبا کی تخلیقات کو اردو زبان میں ڈھالا ہے۔ ان تراجم کو سامنے رکھتے ہوئے اگر عقیل روبی کے اسلوب کا جائزہ لیا جائے تو ان کا اسلوب رواں، سادہ اور فنی خوبیوں سے بھرپور نظر آتا ہے۔ لفظ، جملے، مکالمے مختصر ہوں یا طویل ان کی دل کشی اور روانی ختم نہیں ہوتی۔

عقیل روبی کیونکہ کہانی کہنے کے ماہر ہیں اس لیے آپ نے کچھ مختصر کہانیاں افسانوں کی صورت میں بھی لکھی ہیں۔ ان کے یہ افسانے جناور کتھا کے نام سے شائع ہوئے۔ ان ۱۴ افسانوں میں کچھ افسانے جانوروں کی زندگی کے ہیں اور کچھ انسانی زندگیوں کے عکاس ہیں۔ ہر طرح کے افسانے میں فنِ افسانہ نگاری کے تمام لوازمات اور حدود و معیار کی پابندی کی گئی ہے۔ ہر کہانی رواں نثر کی عمدہ مثال ہے۔

رشتوں کا تقدس اور غیرت انسانی فطرت کا خاصہ ہے لیکن عقیل روبی نے اپنی فنکارانہ سوچ سے جانوروں میں بھی اس خوبی کو تلاش کر کے قاری کے سامنے رکھا ہے۔ جناور کتھا میں ایک افسانہ غیرت مند کے عنوان سے ہے۔ اس افسانے کی کہانی کا مرکزی کردار منشی کی بھینس ہے۔ اس کے مکالمے منشی کی سادگی اور عقیل روبی کے فن کا عروج معلوم ہوتے ہیں:

"داروغہ جی فکر کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ سانڈ کو کچھ نہیں ہوا۔ ٹھیک ٹھاک ہے بس اپنی ماں کو دیکھ کر تھوڑی
سی غیرت آگئی ہے اسے۔"(۱۶)

ایک افسانہ ٹھاکر رتن سنگھ (۱۷) کے عنوان سے بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ یہ طوطا ایک پروفیسر کا پالتو طوطا ہے جو پروفیسر کے بغیر کہیں رہ نہیں سکتا۔ پروفیسر بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھلواتے وقت بھی اپنا وارث اسی طوطے کو لکھواتا ہے۔ ایسا ہی ایک افسانہ متر و بھی ہے جس کا مرکزی کردار ایک کتا ہے۔ یہ متر و کتا بھی اپنے مالک کا بہت وفادار دکھایا گیا ہے۔ مالک کالے شاہ بھی متر و سے بہت پیار کرتا ہے۔ جب ایک بار سیلاب آتا ہے تو کالے شاہ اپنی جان بچانے کی بجائے اپنے متر و کو بچاتے بچاتے اس کے ساتھ ہی اپنی جان بھی دے دیتا ہے۔ اس افسانوی مجموعے میں جانور، پرندے اور انسان ایک مخلوق نظر آتے ہیں جیسا کہ داستانوی ادب میں ہوتا ہے۔ یہی عقیل روبی کے اسلوب کی انفرادیت ہے کہ ان کی کہانی داستانوی رنگ میں اپنے انجام تک پہنچتی ہے۔ افسانوں کے اس مجموعے میں مصنف نے علامتی انداز اختیار کیا ہے۔ جس میں انتظار حسین کی پیروی کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ان کہانیوں کے بارے میں عقیل روبی نے لکھا ہے:

"اگر جانور اور پرندے ہماری مطلبی اور مادہ پرست دُنیا سے ہجرت کر جائیں تو یہ دُنیا ایسا گنبد بے در بن جائے جہاں چُپ اور اُداسی کی دیمک چاٹ چاٹ کر ہمیں مٹی بنا دے۔ مٹی بننے کے اسی خوف نے مجھ سے یہ کہانیاں لکھوائی ہیں۔"(۱۸)

اس افسانوی مجموعے کا اسلوب علامتی ہے جس میں تشبیہ اور استعارے کے بر محل استعمال نے ان افسانوں کو پر لطف اور پر کشش بنا دیا ہے۔ جملوں کا بر محل اور پر کشش استعمال عقیل روبی کے صاحبِ اسلوب ہونے کا ثبوت ہے۔ یہی اسلوب عقیل روبی کی پہچان ہے۔

احمد عقیل روبی کا نثر لکھنے کا اپنا ایک خاص طریقہ ہے، اور وہ اپنے اسلوب کو جس طرح کی کہانی ہو اس لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، جب وہ کسی ادب پارے کا ترجمہ کرتے ہیں تو وہ بہت تخلیقی ہو جاتے ہیں۔ اپنے افسانوں میں، وہ اس بات پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ کرداروں کو کس طرح بیان کیا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے سے کیسے بات کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر احمد عقیل روبی کا صرف ایک انداز نہیں ہے۔ اس کے پاس بہت سے مختلف انداز ہیں جو مختلف تھیمز اور رنگ دکھاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کوئی ایک مخصوص اسلوب نہیں بلکہ ان کے ہاں ایک سے زائد اسالیب موجود ہیں جن میں موضوع کے لحاظ سے وسعت بھی ہے اور رنگینی بھی۔ اور یہی عقیل روبی کی انفرادیت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ روبی، احمد عقیل، کھرے کھوٹے، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۲۰۵

۲۔ ایضاً، ص:۲۰۰

۳۔ ایضاً، ص:۳۲۶

۴۔ ایضاً، ص:۳۶

۵۔ روبی، احمد عقیل، باقر صاحب، لاہور، ورڈز آف وزڈم، ۱۹۹۲ء، ص:۵۳

۶۔ روبی، احمد عقیل، ساڑھے تین دن کی زندگی، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۱۵۰-۱۵۱

۷۔ روبی، احمد عقیل، ساڑھے تین دن کی زندگی، ص:۹-۱۰

۸۔ ایضاً: فلیپ

۹۔ روبی، احمد عقیل، فاہیان، لاہور، الفیصل ناشران، س۔ن، ص:۱۷

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۰۹

۱۱۔ روبی، احمد عقیل: آدھی صدی کا خواب: لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص:۱۲۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۴۸

۱۳۔ انور سجاد، ڈاکٹر، ارسطو، یوری پیڈیز اور عقیل روبی، مشمولہ، میڈیا، از احمد عقیل روبی (مترجم)، لاہور، مجلس ترقیِ ادب، ۲۰۱۰ء، ص:۱۲

۱۴۔ روبی، احمد عقیل (مترجم)، میڈیا، ص:۷۶

۱۵۔ روبی، احمد عقیل (مترجم)، ایڈی پس ریکس، لاہور، مجلس ترقیِ ادب، ۲۰۰۹ء، ص:۵۵

۱۶۔ روبی، احمد عقیل، جناور کتھا، لاہور، وجدان پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۸۵
۱۷۔ یہ احمد عقیل روبی کا پالتو طوطا تھا جو پندرہ سال تک عقیل روبی کے گھر میں رہا۔ عقیل روبی کی وفات کے ایک ہفتہ بعد وہ بھی مر گیا تھا۔
۱۸۔ روبی، احمد عقیل، جناور کتھا، پس ورق

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Rubi, Ahmed Aqeel,Kharay Khotay,Lahore, Al-Hamd Publications,2009, P:205
2. Ibid,P:200
3. Ibid,P:326
4. Ibid,P:36
5. Rubi, Ahmed Aqeel,Baqir Sahab, Lahore, Words of Wisdom,1992, P:53
6. Rubi, Ahmed Aqeel, Sarhay Teen Din Ki Zindagi, Lahore, Al-Hamd Publications,2007, P:150-151
7. Rubi, Ahmed Aqeel,Sarhay Teen Din Ki Zindagi,P:9-10
8. Ibid,Flap
9. Rubi, Ahmed Aqeel,Fahyaan, Lahore, Al-Faisal Nashraan, S.N, P:17
10. Ibid,P:109
11. Rubi, Ahmed Aqeel,Aadhi Saddi Ka Khawab, Lahore, Al-Hamd Publications, 1997, P:127
12. Ibid,P:148
13. Anwar Sajjad, Doctor, Arastoo, Euripides aur Aqeel Rubi, Mashmoola, Media, az Ahmed Aqeel Rubi (Mutarajam), Lahore, Majlas Taraki-e-Adab, 2010, P:12
14. Rubi, Ahmed Aqeel (Mutarajam),Media,P:76
15. Rubi, Ahmed Aqeel (Mutarajam),Oedipus Rex,Lahore, Majlas Taraki-e-Adab, 2009, P:55
16. Rubi, Ahmed Aqeel, Janawar Katha, Lahore, Wajdan Publications, 2009, P:85
17. Yeh Ahmed Aqeel Ruby ka palto tota tha jo pandrah saal tak Aqeel Ruby ke ghar mein raha. Aqeel Ruby ki wafat ke aik haftay baad woh bhi mar gaya tha.
18. Rubi, Ahmed Aqeel, Janawar Katha, Pas-e-Wark